

ڈاکٹر غلام احمد اظہر

## حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز

جس طرح سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مسافر کے لئے منزل کا تعین اور راستے کے نیخیب و فراز سے آگاہ ہونا اور راہ منزل کے خط و خال اور محالم و نشانات جاننا بھی سہولت و افادیت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح کسی موضوع پر گفتگو کا آغاز کرنے سے قبل اس کی تعریف و تحدید اور اس کے لوازمات و ملازمات سے آگاہی بھی بے حد مفید و کار آمد ہوتی ہے، اس اصول پر ہم بھی کار بند ہوں گے، اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز ہے، ہمارا یہ موضوع جہاں بے پایاں وسعتوں کا حامل نظر آتا ہے وہاں یہ انتہائی لطافت و نزاکت اور حق و گمراہی کا حامل ایک فنی یا ٹیکنیکل موضوع بھی ہے، اس لئے ہماری اولین ضرورت یہ ہے کہ اس کی تعریف و تحدید کا مرحلہ طے کر لیا جائے تاکہ اس کی بے پایاں وسعتوں کو سینٹا اور فنی لطافتوں اور گمراہیوں کا ادراک آسان ہو سکے۔

اہل علم نے فن اصول حدیث میں واضح کیا ہے کہ حدیث نبویؐ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، جو تین اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں قولی، فعلی اور تقریری، دوسرے لفظوں میں جو بات آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی وہ قولی حدیث ہے۔ آپؐ نے جو عمل فرمایا وہ فعلی حدیث ہے اور اگر آپؐ کی موجودگی میں کوئی کام انجام پایا اور آپؐ نے اسے استحسان کی نظر سے دیکھا یا سکوت اختیار فرمایا تو یہ تقریری حدیث ہوگی (۱)۔ ظاہر ہے حدیث کی دوسری اور تیسری قسم ہماری اس گفتگو کے موضوع سے خارج ہے، صرف پہلی قسم یعنی قولی حدیث جو صحیح ثابت ہو چکی ہو، زیر بحث لائی جاسکتی ہے۔

تاہم قولی حدیث کو زیر بحث لانے میں بھی چند دشواریاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ قولی حدیث کا بلائیک و شبہ صحیح ثابت ہونا ضروری ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس قولی حدیث کے بلاغی اعجاز سے ہم بحث کر رہے ہیں اس کے الفاظ واقعی بہ تمام و کمال رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یقیناً اسی طرح ادا ہوئے جس طرح منقول ہو کر ہم تک

پہنچے ہیں، روایت حدیث کے ضمن میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط کا پہلو سب کو معلوم ہے (۲)۔ ہمارے ان پاکیزہ نفس اسلاف نے قرآن کریم کو محور و مرکز دین کی حیثیت سے پوری حفاظت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے یہ ضروری خیال فرمایا کہ کتاب اللہ جیسی اہمیت و توجہ کسی اور چیز پر نہ دی جائے، اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی حفاظت کے ضمن میں ہمارے اسلاف نے احتیاط و اہتمام کی جو روش اختیار فرمائی وہ بے نظیر و بے مثال ہے لیکن ارشادات نبویؐ کو رز جاں بنانے میں بھی اکثر بزرگوں نے کافی اہتمام کیا، چنانچہ جہاں کتاب اللہ کے متعلق حکم ربانی تھا کہ (۳)۔

”فمن بدلہ بعد ماسمعہ فانما ائمه علی الذین یدلونہ“ (سوجس نے اسے سننے کے بعد بدل ڈالا تو پھر اس کا گناہ انہی لوگوں کے سر ہو گا جو اسے بدلتے ہیں)۔

وہاں حدیث نبویؐ کے متعلق حذر و احتیاط کو لازم ٹھہرانے اور افترا پر دوازی کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے بھی خود زبان نبوتؐ سے شدید وعید آئی ہے کہ (۴)۔

”من کذب علی متعمد فلیتوا مقعده من النار“ (جس نے جان بوجھ کر میری طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کی تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنانا چاہئے)

مگر کتاب اللہ کی حفاظت اور حدیث رسولؐ اللہ کی حفاظت میں بڑا فرق ہے، ایک تو یہ ہے کہ آیات کلام اللہ نازل ہوتے ہی ایک طرف تو نبوت کے قلب اطہر پر سنفرٹک فلاحی (تجھے قرآن ایسا پڑھائیں گے کہ تو اسے بھولے گا ہی نہیں) (۵) کے رنگ میں نقش ہو جاتی تھیں، تو دوسری طرف ”فی صدور الذین ائنا العلم“ (ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو گا جنہیں علم دیا گیا ہے) (۶) کے حکم ربانی کے مطابق حفاظ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی یہ محفوظ ہو جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کتابانِ وحی ان آیاتِ چہات کو سپرد قلم فرما دیتے تھے (۷) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ”انا نحن نزل الذکر وانا لہ لحاظون“ (۸) کا تاکیدِ عمد ربانی بھی ہے، لیکن حدیث نبویؐ کے اہتمام کے ضمن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی!

اس سلسلے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جہاں آیاتِ چہات کی قرائت بالمعنی مستثنیٰ، تحریف اور کفر قرار دی گئی ہے وہاں احادیث کے ضمن میں علماء نے حدیث نبویؐ کی روایت بالمعنی کی بھی اجازت دی ہے (۹) لہذا یہاں حدیث نبویؐ سے ہماری مراد حضور اکرمؐ کے وہ ارشادات ہیں جو قولی

حدیث کہلاتے ہیں اور مسلم طرق روایت کے مطابق واضح صحت کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں۔  
عنوان کا دوسرا حصہ ”بلاغی اعجاز“ ہے، اس لئے بلاغت اور اعجاز کا مفہوم بھی واضح طور پر  
ذہن نشین ہونا چاہئے، اکثر بن سینہ، جو حضور اکرمؐ کا معاصر تھا مگر اعلان نبوت سے قبل ہی فوت  
ہو گیا تھا، ایک فصیح و بلیغ خطیب تھا اور لوگ اسے حکیم العرب (عربوں کا دانا و عاقل) کہتے تھے،  
بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: (۱۰)

”دنو الماخذ لقرع الحجنه لقليل من كثير“ (یعنی لفظ و معنی کا ماخذ آسان اور ذہنوں کے قریب تر  
ہو، اسلوب و اسلئے انتہائی موثر و لاجواب ہوں اور بہت سے الفاظ کی محتاج بات کو کم سے کم  
لفظوں میں بیان کرنا بلاغت ہے)۔

مشہور امام ادب عربی الامامی کا قول ہے کہ (۱۱) ”البليغ من طبق المفصل واغناك عن  
المفسر“ فصیح و بلیغ وہ شخص ہوتا ہے جو بات کو کھول کر پیش کرے اور کسی تفسیر یا وضاحت سے  
بے نیاز کر دے۔

جاہظ نے البیان والتبيين میں مختلف اقوام کے ہاں بلاغت کے مفہوم کے متعلق اقوال نقل  
کئے ہیں (۱۲) چنانچہ اہل فارس کے نزدیک ”البلاغه هي معرفه الفصل من الوصل“ یعنی فصل اور  
وصل کے مواقع سے آگاہی کا نام بلاغت ہے، یونانیوں کے نزدیک ”تصح الاقسام و اخبار الكلام“  
(بیان کی تقسیم درست ہو اور بات سچی تلی ہو) کا نام بلاغت ہے، رومیوں کا خیال یہ ہے کہ  
”حسن الاقتضاب عند البهانه والفرارة يوم الاطالنه“ (نی البدیہ بولنا پڑے تو حسن اختصار سے کام  
لیا آتا ہو اور بات کو طول دینے کا موقع ہو تو ذہنی زرخیزی میسر ہو) کا نام بلاغت ہے، قدیم اہل ہند  
کی رائے میں ”وضوح اللانہ وانہار الفرصه وحسن الاشارة“ (استدلال واضح ہو، موقع شناسی کا  
ملکہ حاصل ہو اور حسن اشارہ سے کام لیا آتا ہو) تو بلاغت ہے، مشہور عرب خطیب امام معتزلہ  
عمرو بن عبید نے بلاغت کی تعریف یوں کی ہے: (۱۳)۔

”تخير اللفظ في حسن الافهام لتقد ير حجنه الله في عقول المكلفين لتخفيف المثنونه على  
المستمعين لتزبيين تلك المعاني في قلوب المويلين بالالفاظ المستحسنه في الاذان“ المقبوله  
عند الاذهان رغبه في سرعته استجابتهم فنفى الشواغل عن قلوبهم بالموعظه الحسنه على  
الكتاب والسنة“ (یعنی حسن تفہیم کے لئے چنے ہوئے لفظ لانا، مکلف بندوں کی عقولوں میں اللہ

تعالیٰ کی ججت کو راح کرنا، سننے والوں کی ذمہ داری کو کم کرنا، ارادت مندوں کے دلوں میں ان معافی کو سجانا، ایسے الفاظ سے جو قوتِ سامعہ کو بھلے لگیں اور ذہنوں کو قبول ہوں، جن سے کتابِ ذہنت کی اساس پر موعہِ حنہ کے ذریعہ انہیں جلد سے جلد آمادہ کرنے اور ان کے دلوں سے مشغول رکھنے والی باتوں کو تابود کرنا مقصود ہو۔

گویا جس بات کا سرچشمہ دل کی گمراہی ہو، وہ دماغ سے خوبصورتی کے ساتھ ڈھل کر نکلے، زبان سے سنور کر ادا ہو، اور کانوں میں شیرینی اور رس گھولتے ہوئے دلوں میں اتر جائے، وہی بات یلغ ہے!

انجاز کے معنی ہیں عاجز کر دینا، بے بس بنا دینا، اسی سے معجزہ مشتق ہے جو عاجز کر دینے والا ہوتا ہے، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا (۱۳)۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول معجزات سے نوازے جاتے تھے تاکہ ان کے مخالفین پر یہ بات واضح ہو کہ وہ بشر ہوتے ہوئے بھی عام بشر کی طرح نہیں ہوتے۔ ان کا اللہ رب العزت سے خاص تعلق ہوتا ہے جو عام بشر کو عطا نہیں ہوتا۔ یہی تعلق وحی من اللہ، منصب رسالت و نبوت پر فائز ہونے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام حق انسانیت تک پہنچانے سے عبارت ہے (۱۵)۔ لیکن یہ تعلق کوئی معمولی تعلق نہیں ہوتا، اسی لئے اس خصوصی تعلق کے مظہر اور علامت کے طور پر انبیائے کرام کو معجزات عطا ہوئے ہیں لیکن ان سب معجزات کا معجزہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے، یہی سب سے اہم، بنیادی اور اجتنابی بات ہے، اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل دائمی اور زندہ جاوید معجزہ اسی تعلق سے عبارت ہے یعنی جو وحی ربانی آپ پر نازل ہوئی اسی کا ثمر کتاب اللہ بہ تمام و کمال ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر پیغمبر اسلام کا دائمی معجزہ قرار پائی ہے۔

تو موضوع کے حدود و محال کا تعین اس طرح ہوا کہ حدیث نبویؐ کی وہ قسم جسے قوی حدیث کہتے ہیں اس میں سے جو چیز صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے وہ معجزہ ہے اور وہی ہمارا موضوع ہے، اور یہی ارشادات نبویؐ اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہیں۔

موضوع کے تعین کے بعد اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ بلاغت نبویؐ کس طرح ایک معجزہ ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضرتؐ کے اخلاقِ حنہ اور سیرت طیبہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تھا

کہ کان خلقہ القرآن (۴)۔ یہ قول بھی اعجاز نبویؐ کا ترجمان ہے، گویا قرآن کریم جو نظریاتی تعلیم ہے اس کی عملی تفسیر پیغمبرؐ کی ذات اور آپ کی سنت ہے۔ قرآن کریم کے احکام پر صحیح عمل اور آیات بینات کی عملی تصویر و تفسیر آنحضرتؐ کی ذات ہے۔ اس عملی تصویر اور تفسیر کا ایک پہلو آپ کی فصیح و بلیغ گفتگو کا اقتباسات، کلمات اور محاورات قرآنی سے مزین ہونا بھی ہے۔ چنانچہ آپ کے کلام معجز نظام میں جو ”فما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى“ (۱۷) کی ضمانت الہی سے مشرف تھا اپنے اندر قرآنی رنگ کی بیشمار اور بکثرت جھلکیاں رکھتا تھا۔ آج تک کسی کا ایسا کلام اور ایسی گفتگو دیکھنے میں نہیں آئی جس میں قرآنی اقتباسات، کلمات و محاورات اتنی کثرت اور وافر مقدار میں پائے جائیں جس قدر کہ ان سے کلام نبوت مزین ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ بھی فرماتی ہیں (۱۸) کہ ”ما كان رسول الله يسرد كسر دكم هذا ولكن كان يتكلم بكلام بين فصل يحفظ من جلس اليه“ و كان رسول الله يحدث حديثا لوعده العاد لاحصاء“ یعنی رسول اللہ نگاتا رہتا تیز تیز نہیں بولے جاتے تھے۔

جس طرح تم لوگ لگاتار تیز تیز بول کر بات کو غلط طوطا کر دیا کرتے ہو، بلکہ آپ تو واضح الگ الگ ٹکڑے ہوئے انداز میں بات کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے آپ کی باتوں کو حفظ کر لیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بات کرتے تھے تو اگر کوئی شمار کرنے والا آپ کے حروف والفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ کے ان اقوال سے چار ایسی باتیں واضح ہوتی ہیں جو فصحاء و بلغاء کو کم ہی نصیب ہوئی ہیں!

- ۱۔ آپ کی گفتگو میں کوئی الجھاؤ، ابہام یا بے اعتدالی نہیں ہوتی تھی۔
- ۲۔ بلکہ یہ گفتگو نہایت واضح، الگ الگ ٹکڑے ہوئے انداز اور عام فہم قسم کی ہوتی تھی۔
- ۳۔ اس گفتگو کا ذہن نشین کرنا، بلکہ دل میں اتارنا آسان ہوتا تھا اور نبی کی شان بھی یہی ہے کہ اس کی بات ذہن نشین ہو کر دل میں اتر جائے تاکہ اثرات و نتائج کا مظاہرہ ہو۔
- ۴۔ آپ ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے تاکہ آپ کی گفتگو سے سب کو فائدہ ہو اور ہر خاص و عام اس سے مستفیض ہو سکے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ قریش کے وصال الجلیہ مشہور تھے، عربوں کے قدیم فنون و معارف

میں سے قیافہ اور فراست کی طرح وصفِ حلیہ بھی ایک کمال کا فن تصور ہوتا تھا۔ جس طرح آج کوئی وصف نگار کسی چیز یا شخصیت کی قلمی تصویر (چین پکچر) پیش کرنے میں مہارت کے باعث ہنرمند و صاحبِ کمال تصور ہوتا ہے اسی طرح قدیم عرب کے وصالِ الحید کی چیز یا شخصیت کی لفظی تصویر پیش کر کے ہنرمند اور صاحبِ کمال تسلیم کئے جاتے تھے (۱۹)۔ پھر یہ لفظی تصویر انسانوں کے حافظہ میں منتقل ہوتی رہتی تھی اور سننے والے اس چیز یا شخصیت کو اپنے سامنے اسی طرح مجسم پاتے تھے جس طرح آج کوئی مصور یا کیمرو والا کسی چیز یا شخصیت کو ہمارے سامنے ہو ہو محفوظ کر کے پیش کر دیتا ہے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ بھی اس فن میں کامل بلکہ یکنائے روزگار تھے اور قریش کے ہاں مسلم و مشور و صاف الحید تھے (۲۰)۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ان سے یہ لفظی تصویر یا قلمی سراپا سنتا چاہتے تھے تاکہ یہ سراپا اور یہ تصویر لفظی ان کے حافظہ میں ہمیشہ کے لئے یوں محفوظ ہو جائے جس طرح فریم میں تصویر لگا کر محفوظ کر دی جاتی ہے۔ حضرت ہند نے آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے جو لفظی تصویر پیش کی ہے وہ کسی عام آدمی یا معمولی بشری شخصیت کا سراپا نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک مافوق البشر کا سراپا لگتا ہے جس کے اعضاء و جوارح بڑے اہتمام سے کسی خاص مقصد کے لئے تخلیق فرمائے گئے ہوں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جو اخلاقی تصویر پیش کی ہے اگر وہ معجزہ اخلاق ہے تو حضرت ہند کا یہ بیان کردہ لفظی سراپا معجزہ تخلیق مستحق ہوتا ہے۔ اس طرح آپ خلق و خلقت دونوں لحاظ سے اپنے خالق و مرسل کا اعجاز ہیں اس لئے ”فاق النبیین خلقاً خلقاً“ والی شاعرانہ ترکیب لفظی حقیقت کی ترجمان ہے (۲۱)۔ لیکن یہاں پر اس تصویر لفظی کا صرف وہی حصہ سامنے رکھنا مقصود ہے جس کا تعلق آپ کے نطق و کلام اور فصاحت و بلاغت سے ہے، وہ فرماتے ہیں (۲۲)!

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر غموں سے درد مند اور غور و فکر میں محو رہتے تھے۔ آپ آرام و راحت سے کم آشنا تھے بلا ضرورت کبھی نہیں بولتے تھے، زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ گفتگو کرتے ہوئے پورا منہ کھولتے تھے، آپ کے کلام کے الفاظ جامع و مختصر ہوتے تھے، جب بولتے واضح انداز میں کسی کی یا فالتو الفاظ کے بغیر بولتے۔ نرم مزاج و خوش اخلاق تھے، آپ نہ تو تند خو و درشت طبع تھے اور نہ عاجز و کمزور۔ ہمیشہ پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے، تعجب ہوتا تو اپنا

ہاتھ الٹ دیتے۔ بات کرتے تو اپنے ہاتھوں کو قریب کر کے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مار دیتے۔ فحشی یا ناپسندیدگی کے اظہار کے طور پر منہ موڑ لیتے، خوشی میں نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کی پوری ہنسی صرف مسکراہٹ ہی ہوتی تھی، جب مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت یوں چمکتے دکھائی دیتے جیسے بادل میں سے ٹھنڈے ٹھنڈے چمکتے ہوئے اگلے دکھائی دے رہے ہوں!“

یہ لفظی تصویر کسی غیر معمولی بلکہ مافوق البشر شخصیت کی تصویر ہے، گفتگو کے یہ انداز اور لب و لہجے کے یہ اطوار کسی سحر انگیز کشش اور جاذبیت کے ترجمان ہیں جو دیکھنے سننے والوں کو اپنی طرف کھینچتی اور دلوں پر غالب آتی دکھائی دیتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سفر ہجرت کے دوران میں عرب کی ایک خانہ بدوش صحرائی خاتون کو داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا، اور جو تاریخ میں ام مہجد کے نام سے زندہ جاوید ہو گئیں۔ وہ جب اپنے اس عظیم الشرف اور جلیل القدر مہمان کا سراپا بیان کرتی تھیں تو ایک فصیح و بلیغ بدوی خاتون کے انداز میں آپ کے طرز تکلم و گویائی کے متعلق فرمایا کرتی تھیں (۲۳)؛ حلوا المنطق فصل لا تزدلنا ہندکان منطقہ خزرات نظمن، وکان جہر الصوت حسن النغمۃ، یعنی آپ شہرس گفتار تھے، بات نہایت واضح ہوتی، وہ نہ قلیل الکلام تھے نہ فضول الکلام، آپ کا کلام معجز نظام تو موتی تھے جو لڑی میں پرو دئے گئے ہوں، بلند اور گرجدار آواز تھی مگر خوبصورت نغمی میں ڈوبی ہوئی۔“

سیرت طیبہ پر قلم اٹھانے والے قدیم و جدید اہل علم و دانش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے معجزانہ اسلوب پر گفتگو فرمائی ہے۔ ان بزرگوں میں سے ابو عثمان عثیم بن بحر الجاحظ، امام ابو الحسن الماوردی، جتہ الاسلام امام ابو حامد الغزالی، قاضی عیاض البیہقی، عطیہ ابراہی اور مصطفیٰ صادق الرافعی کی باتیں بڑی خوبصورت ہیں اور خصوصی توجہ کی دعوت دیتی ہیں، مگر یہاں ہم اختصار کے پیش نظر صرف تین اقتباسات پر اکتفا کریں گے، ابو عثمان لکھتا ہے (۲۴)؛ ”آپ کا کلام معجز نظام ایسا تھا کہ جس کے حروف کی تعداد کم مگر معانی کی مقدار زیادہ ہوتی تھی۔ یہ تصنع و آورد سے بالکل پاک اور تکلف سے منزہ و بالاتر ہوتا تھا۔ تفصیل کے موقع پر تفصیل اور اجمال کے موقع پر اجمال ہی ہوتا تھا۔ آپ کی گفتگو بے قاعدہ، نامانوس اور وحشی الفاظ سے خالی اور عامیانہ الفاظ سے پاک ہوتی تھی۔ کلمات تھے جو سراپہ حکمت سے لبریز، اغلاط اور

خامیوں سے میرا ہوتے تھے، آپ کے کلام کو نجی تائید و توفیق الہی حاصل تھی۔ کسی نے آپ کے کلام سے زیادہ مفید، سچا، مناسب و موزوں، خوش اسلوب، عمدہ معنی، اثر انگیز و دلنشین آسان و زود فہم اور اپنے مقصد و مدعا کو وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کرنے والا نہیں پایا۔

صاحب الشفاء قاضی عیاض ایلکسی کا قول یہ ہے کہ (۲۵)!

”واما فصاحتہ اللسان وبلاغتہ القول فقد کان صلی اللہ علیہ وسلم من ذلک بالمحل الافضل والموضع الذی لا یجبل۔ سلالہ طبع وبراعته منزوع وإيجاز مقطع فنصاعته لفظ وجزالته قول وصحته معان وقلته تکلف“

جہاں تک فصاحت لسانی اور بلاغت گفتار کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں افضل ترین مقام کے مالک تھے، آپ کا مرتبہ فصاحت کسی سے پوشیدہ نہیں، طبیعت کی سلاست و روانی معانی پیدا کرنے کا کمال، جامع و مختصر جملے، چمک دک والے الفاظ، صحیح اور تکلف سے پاک کلام آپ کا امتیاز تھا۔“

اقتباسات کسی حد تک بات کو بوجھل بنانے کا سبب بن جاتے ہیں اس لئے صرف ایک اور اقتباس پر اکتفاء کرتے ہیں جو ڈاکٹر طحسین کے مقابلے پر تمام عمر ڈٹے رہنے والے عظیم مصری دانشور مصطفیٰ صادق الرافعی کا ہے، فرماتے ہیں (۲۶)!

”ومن کمال تلک النفس العظیمة و غلبتہ فکرہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لسانہ قل کلامہ وخرج قصدا الفاظہ محیطا بمعانیہ تحسب النفس قداجتمعت فی الجملة القصیرة ولکلمات اعمدودة بكل معانیہا، فلاحری من الکلام الفاظا ولكن حركات نفسیة فی الفاظ، ولہذا کثرت الکلمات التی انفرد بہا من العرب وکثرت جوامع کلمہ وخلص اسلوبہ فلم یفقر فی شئی ولم یبالغ فی شئی واتفق لہ من هذا الامر علی کمالہ الفصاحتہ وابلغتہ ما لو ارادہ مرید المعجز عنہ ولو استطاع بعضہ لماتم لہ فی کلامہ لان مجری الاسلوب علی الطبع، والطبع غالب مما تشد المرء وارفاض مما تشبہ وبالغ فی التخطف۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کے کمال اور زبان پر سوچ کے غالب آنے کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کم گو ہو گئے تھے۔ آپ کے الفاظ بڑے اعتدال سے ادا ہوتے تھے جو گفتار کے معانی پر محیط ہوتے تھے۔ آپ کو یوں لگے گا کہ آپ کی شخصیت چھوٹے سے جملے اور چند کلمات



میں اپنے بھرپور معافی کے ساتھ مجمع ہو گئی ہے، یوں کلام میں الفاظ نہیں بلکہ الفاظ میں شخصیت متحرک دکھائی دے گی۔ چنانچہ آپ کی گفتار میں ایسے منفرد کلمات و محاورات بکثرت نظر آئیں گے جن میں آپ کے ساتھ کوئی اور عرب شریک نہیں ہے، آپ کے جو امع الفہم کی بھی کثرت ہے۔ آپ کا اسلوب خالص تھا اس لئے نہ تو کسی چیز کے اظہار میں آپ عاجز رہے اور نہ کسی بات میں مبالغہ آمیزی نظر آئی۔ اس سلسلے میں کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ کی گفتار کو وہ ترتیب اور تنظیم میسر آئی جس کا قصد کرنے والا اسے پانے سے عاجز رہا اور اگر اس کا کچھ تھوڑا بہت کسی نے پامی لیا تو بھی وہ کمال سے عاجز ہی رہے گا، کیونکہ اسلوب کا بجاؤ طبیعت و فطرت سے تعلق رکھتا ہے جو قابو میں آنے والی نہیں خواہ کوئی کتنی بھی مشقت و ریاضت کر لے اور ثابت قدمی و استقامت میں خواہ کتنی ہی مبالغہ آمیزی اور غلو سے کام لیتا رہے۔“

بلاغت کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی ہیں جن سے آپ کا اپنا نظریہ بلاغت مرتب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کو لمبی چوڑی تقریر پسند نہ تھی آپ خود بھی مختصر خطبہ ارشاد فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اس کا حکم دیتے۔ کاہنوں کا سامع و قافیہ آپ کو پسند نہ تھا، بات کا جھگڑانا اور تکلف سے باچیں کھونا بھی آپ کو ناپسند تھا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے سامنے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی اور تیزی اور چرب زبانی کی انتہا کر دی، آپ نے فرمایا ”کم دمن لسانک من حجاب“ کہ تیری زبان کے سامنے کتنی رکاوٹیں ہیں؟ تو وہ بولا! مشفقانی واسنانی؟ کہ دو چیزیں رکاوٹ ہیں میرے دو ہونٹ اور میرے دانت! آپ کا مقصد یہ تھا کہ زبان انسان کے قابو میں رکھنے والی چیز ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتیس دانت دیئے ہیں جو زبان کو ادھر ادھر پھسلنے سے بچاتے ہیں۔ پھر دو ہونٹوں کا قفل ہے اگر لگ جائے تو زبان کی کیا مجال جو اپنا کسی قسم کا علی مظاہرہ کر سکے، بظاہر آپ کا مخاطب بھی آپ کی بات کو سمجھ گیا تھا، اس لئے آپ نے اس سے کسی مزید وضاحت کے بغیر فرمایا (۲۷)!

”ان اللہ بکرمہ انبعانی فی الکلام فنضر اللہ وجہ رجل اوجز فی کلامہ واقتصر علی حاجتہ“

۔ اللہ تعالیٰ کو بے گام گفتگو ناپسند ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرخ رو فرمائے جو گفتگو میں اختصار و ایجاز سے کام لیتے ہوئے اپنی ضرورت بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔“

۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۔ سر ۔ مختصر خطبہ ارشاد فرماتے تھے بلکہ اپنے صحابہ کرام

کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تقاریر میں اختصار سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ (۲۸)

رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ابنضکم الی الثرثارون المتفہقون“ میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو زیادہ باتوں اور گھلا چھاڑ کر باتیں کرتے ہیں (۲۹)۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ ”ابیہی ولتشافی“ بتاؤنی انداز میں باچھیں کھول کر بولنے سے میں بچتا ہوں (۳۰)۔

بلاغت نبویؐ کے پس منظر کے طور پر دو باتیں خصوصیت سے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ قبیلہ قریش کی شاخ بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے، بوزہرہ کا قبیلہ آپ کا خیمیاں تھا اور قبیلہ بنو سعد بن بکر میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے ”انا افصح العرب ببدائی من قریش فنشأت فی بنی سعد بن بکر“ اور آپ کے اس دعویٰ فصاحت پر کسی نے انکشت نہائی یا اعتراض کبھی نہ کیا تھا۔ اس لئے ان تمام عناصر نے آپ کی بلاغت لسانی کے لئے پس منظر کا کام دیا (۳۱) جو آپ کی معجزانہ بلاغت کا اصل راز تھا۔

ادبی رمی فاحسن نادبی“ یعنی مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے چنانچہ میری خوب خوب ادبی تربیت فرمائی ہے، حدیث نبویؐ کے بلاغی اعجاز کے ضمن میں یہی بنیادی نقطہ ہے جسے یاد رکھنا بے حد ضروری ہے، دوسری یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ بلیغ خطبائے ضمن میں عرب کسی قسم کے عیب برداشت نہیں کرتے تھے، بلکہ خطباء کے عیوب کو بہت اچھالتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون بھی یہ بات کہنے سے باز نہ آیا تھا کہ لا یبکا دینین یعنی یہ تو اظہار بھی نہیں کر پا رہا (۳۲)! مگر رسول اللہؐ کے نکتہ چیں اور عیب جو دشمن تو بڑے سخت اور زبان دراز تھے مگر آپ کی خسیانہ بلاغت پر نہ تو کبھی کسی کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملا اور نہ کبھی کوئی ایسی بات دیکھنے اور سننے میں آئی۔

اہل علم نے یہ نقطہ بڑی کثرت اور اظہار بیان کے تنوع کے ساتھ بیان کیا ہے کہ رسل و انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ضمن میں اللہ کی حکمت و سنت یہ رہی ہے کہ ہر نبی کو اس کے ماحول اور اہل زمانہ کی روش کے عین مطابق معجزات عطا کئے جاتے رہے ہیں۔ موسوی عہد کے فراعنہ کے ہاں شعبہ بازی اور جادوگری کے بڑے چرچے تھے چنانچہ عصائے موسوی اور بیضا کے

(بقیہ صفحہ پر)